"وہابی" تحریکِ اصلاح کے دو قائد

سید احمد شہید رح اور امام بونجول رح

سیّد قدرۃ اللہ فاطمی

[پچھلے سال ایجوکیٹرز کلب، راولپنڈی کے زیرِ اہتمام ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی تھی جس میں مدیر ماہنامہ "فکر و نظر" نے سید احمد شہید رح پر ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اس کا ایک اقتباس مناسب ترمیم و اضافہ کے بعد نذرِ قارئین کرام کیا جا رہا ہے۔]

تاریخِ اسلام کا پہلا دور تیرھویں صدی عیسوی میں تاتاری حملوں پر ختم ہو گیا لیکن اس خاتمہ کے ساتھ ہی نصف صدی کے اندر دوسرے دور کی ابتدا ہو گئی۔ یہ دور سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں اپنے انتہائی عروج پر پہنچا جب کہ جاوا اور سماترا کے سلطانوں، برصغیر ہند و پاکستان کے مغلوں، ایران کے صفویوں اور ترکی کے عثمانیوں کے عہد میں اسلام کی دینی وسعت، سیاسی شوکت، اقتصادی قوت اور ثقافتی ثروت دورِ اوّل کے اُمویّوں، عباسیوں اور فاطمیوں کے کارناموں سے سبقت لے گئی۔ مگر اس دوسرے دور میں دو بنیادی خامیاں رہ گئی تھیں۔ اوّلاً تاتاری حملہ کے قبل سے تقلیدِ جامد کی جو روش شروع ہو چکی تھی، اس نے بعد کے سیاسی و معاشرتی خلفشار کے زمانے میں جڑ پکڑ لی اور نشاطِ فکر و نشاۃِ نظر کی راہیں بند کر دیں۔ ثانیاً، بحری راستے جن پر بین الاقوامی تجارت اور اقتصادی بہبود کا دار و مدار ہے اور جن پر صدیوں سے ہمارا قبضہ

تھا، وہ اس دور میں ہماری بے توجہی سے غیروں کے ہاتھ میں چلے گئے۔ سمندر سے اٹھنے والی مغربی فتنہ کی موجوں نے رفتہ رفتہ تلاشِ معاش کے راستے بھی ہم پر مسدود کر دئیے۔ چنانچہ یورپ کا سرمایہ دارانہ صنعتی انقلاب ہمارے لئے تاتاری یورش سے زیادہ ہلاکت آفریں ثابت ہوا ہماری بظاہر پُرشوکت سلطنتیں اچانک کھوکھلی نظر آنے لگیں۔ اور اٹھارویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل میں انڈونیشیا کے جزائر ملوکو Moluccas سے افریقہ کے مراکش تک ہماری سیاست کے گنبدِ پانی کے بتاشوں کی طرح بیٹھتے چلے گئے۔ لیکن "دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی" جس طرح تاتاری حملوں کے بعد انتہائی زوال ہمارے عروجِ ثانی کی نشانی بنا تھا، اسی طرح فرنگی سیلاب کے بعد زوال کا عروج اپنے ساتھ ردِ عمل لایا اور اس نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رح (ولادت ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء وفات ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۲ء) کی شکل اختیار کی۔

شیخ الاسلام نے اس حقیقت کو جان لیا تھا کہ سیاسی اور اقتصادی تباہی کے پس پردہ اخلاقی، دینی اور ذہنی زوال کے عوامل کارفرما ہیں۔ تقلیدِ جامد، شرک، اسراف، اور غیر اسلامی رسموں نے ملت کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ انہوں نے ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے صرف وعظ و نصیحت پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ جہاد کا عام اعلان کر دیا۔ اس نفیرِ جہاد پر لبیک کہنے والوں میں آلِ سعود پیش پیش تھے۔ ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں نے شیخ الاسلام کی دعوتِ اصلاح و تحریکِ احیائے سنت کو غیر معمولی کامیابی بخشی۔ آخر کار ۱۸۰۳ء میں عارضی اور ۱۸۰۶ء میں پائیدار طور پر مکۂ معظمہ آلِ سعود کے قبضہ میں آگیا۔ ایک تو شیخ الاسلام کی دعوت کا خلوص اور آلِ سعود کا جوشِ جہاد، دوسرے، قبلۂ اسلام بیت اللہ الحرام کا اس دعوت کا مرکز بن جانا — یہ دو عناصر ایسے جمع ہوئے کہ رُبع صدی سے کم عرصہ میں یہ تحریک مغربِ اقصیٰ سے لیکر مشرقِ اقصیٰ تک اسلامی انقلاب کی داعی بن گئی اور بقول اقبالؔ "یہ فی الحقیقت عہدِ حاضر کے مسلمانوں میں زندگی کی سب سے پہلی لہر تھی، اس لئے کہ ایشیا ہو، یا افریقہ، عالمِ اسلام میں اس کے بعد جو بھی تحریک پیدا ہوئی، بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی کے زیر اثر ہوئی"[۱]

Reconstruction of Religious Thought in Islam
مصنفہ علامہ اقبال، لاہور، ۱۹۵۴ء صـ ۱۵۲

وہابی تحریک کی سیاسی کامیابی اور مکہ معظمہ پر آلِ سعود کے قبضہ کا بیرونی اثر سب سے پہلے دنیائے اسلام کے دور افتادہ جزیرہ سماٹرا پر پڑا۔ اور اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ مشرق کے یہ خوبصورت، سرسبز، شاداب اور زرخیز جزیرے جنہیں اب ہم انڈونیشیا، اور پندرہ بیس سال پہلے جاوا یا شرق الہند کے نام سے جانتے تھے، عرصۂ دراز سے اپنے حاجیوں کے لئے مشہور ہیں۔ سنتے آئے ہیں کہ وہاں حج کئے بغیر مردوں کی شادی نہیں ہوتی۔ ان ہی جاوی یعنی انڈونیشی حاجیوں میں سماٹرا کے علاقہ مینِنگ کباؤ کے حاجی مسکین نامی ایک مرد مجاہد اور ان کے دو دوست شمانک اور پی اُباگ بھی تھے۔ مکہ معظمہ پر وہابیوں کے قبضہ کا ان پر گہرا اثر ہوا۔ وہ اس دعوت کی چنگاری لیکر اپنے وطن لوٹے اور وہاں شرک و بدعات کے خس و خاشاک میں آگ لگا ڈالی۔ کچھ عرصہ بعد اس سماٹری تحریک کو ایک عظیم رہنما مل گیا۔ محمد شہاب ان کا نام تھا۔ باپ سماٹرا کے رؤسا میں سے تھے اور شہر کی جامع مسجد کے خطیب۔ ماں مراکش کے ایک بڑے عالم عثمان نامی کی بہن تھیں۔ علم دین کی دولت باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ورثہ میں پائی تھی۔ انہوں نے جہاد کے تجربے سے یہ بات معلوم کرلی تھی کہ ڈچ استعمار پسندوں اور ان کے حلیف مقامی جاگیرداروں کی طاقت کا مقابلہ میدانی علاقہ میں رہ کر نہیں کیا جاسکتا۔ ڈچوں کے تازہ ترین ساخت کے مغربی ہتھیاروں کے مقابلہ میں جنگِ چھاپہ مار (گوریلا لڑائی) کی تدبیر ہی کارگر ہوسکتی ہے۔ اور اس طریقۂ جنگ کے لئے پہاڑی علاقوں کی قدرتی پناہ گاہیں موزوں ترین ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وادیاں اور میدانی علاقوں کو چھوڑ کر بونجول نامی پہاڑی مقام کو اپنا مرکز بنایا۔ اسی لئے یہ مجاہد اعظم انڈونیشی تاریخ میں امام بونجول رح کے لقب سے مشہور ہیں[1]۔

سماٹرا کے مجاہدوں کی ڈچوں سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ تو اسی وقت سے شروع ہوگیا تھا، جب انیسویں صدی کے اوائل میں حاجی مسکین اور ان کے دو ساتھی سرزمین حجاز میں وہابی تحریک کی

---

[1] امام بونجول کی سوانح عمری کے لئے بہترین ماخذ Tuanku Imam Bondjol, (بہ زبان انڈونیشی) مصنفہ Dawis Datoek Madjelolo, اور Ahmad Marzoeki, شائع کردہ Djambatan جکارتا ۱۹۵۱ء ہے۔

کامیابی سے متاثر ہو کر لوٹے تھے اور اپنے وطن میں اصلاح بدعات و رسوم، دعوتِ جہاد اور غلبۂ اسلام کی اُس تحریک کا آغاز کیا تھا جو انڈونیشی زبان میں پرانگ پڈیری Perang Paderi کے نام سے مشہور ہے[۳]۔ لیکن ڈچ اور انڈونیشی مورخ یک زبان ہیں کہ اپریل ۱۸۲۳ء سے جنگ نے شدت اختیار کر لی اور ۱۸۳۷ء تک پوری خونریزی کے ساتھ جاری رہی۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ اس تمام عرصہ میں امام بونجول رح نے، مشہور ڈچ مورخ R. A. Kern کے قول کے مطابق مکۂ معظمہ میں اپنے نمائندے مقرر کر رکھے تھے[۴]۔ اور یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ انڈونیشیا میں جہاد کے شدت پکڑنے کی تاریخ سے ٹھیک ایک سال قبل، مئی ۱۸۲۲ء میں، سید احمد شہید رح برصغیر ہند و پاکستان سے اپنا عظیم قافلہ لیکر سرزمین حجاز پہنچ چکے تھے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ سید شہید رح کی مستند ترین سوانح عمری وقائع احمدی جو اُن کی شہادت کے فوراً بعد تالیف ہوئی تھی، اس امر پر شاہد ہے کہ سید شہید رح کے قیام حجاز کے دوران میں تین "جاوی" (یعنی انڈونیشی[۵]) حاجیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ ان کا کھانا عام لنگر کی بجائے خاص اپنے ساتھ مقرر فرمایا اور جب وہ وطن لوٹنے لگے تو اپنے بدن کے کپڑے اتار کر انہیں بطور خرقہ بخشا۔ خلافت نامہ دیا۔ اور نصیحت فرمائی کہ جہاں کہیں تم کو مسلمان بھائی ملیں، ان کو خوب تعلیم و تلقین کرنا[۶]۔

جنوب مشرقی ایشیا کے اسلامی جزیروں کے ان حاجیوں کا جو اپنے وطن میں جہاد کا آغاز کر چکے تھے، روزانہ سید احمد شہید رح کے مخصوص دسترخوان پر شریک ہوتا اور ان کی شفقتِ خصوصی سے مشرف ہونا، تاریخ کے طالب علم کے لئے بے معنی ہرگز نہیں۔ وقائع احمدی کے

۳ے اس جہاد کی تاریخ کے لئے بہترین ماخذ Perang Padari, (بزبان انڈونیشی) مصنف Mohammad Radjab, شائع کردہ Balai Pustaka، جکارتا ۱۹۵۴ء ہے۔ یہ کتاب بیشتر ڈچ ماخذوں پر مبنی ہے

۴ے ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مطبوعہ لیڈن، طبع اول، مقالہ بعنوان "Padri" (ج ۳، ص ۱۰۱۹ کالم اول)

۵ے انڈونیشیا کی تین چوتھائی آبادی جاوا میں آباد ہے۔ اس لئے اب تک ارضِ مقدس کے عرب تمام انڈونیشیوں کو جاوی کہتے ہیں۔ ۶ے بحوالہ سیرت سید احمد شہید، مصنفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، طبع چہارم ص ۳۲۵

مؤلف نے یہ نہیں قلمبند کیا کہ روزانہ کھانے کے دسترخوان پر اور دوسری حج کی ملاقاتوں میں ان "جاوی" مجاہدوں اور سید شہید رح کے درمیان کیا کیا مشورے ہوئے۔ ظاہر ہے کہ یہ "رموزِ مملکت" ضبطِ تحریر میں لانے کے نہ تھے۔ جنگ کے قائد اپنی جنگی تدبیروں کو اَلَم نشرح نہیں کیا کرتے۔ انقلاب کے داعی اپنے حلیفوں اور غیر ملکی رابطوں کا اعلان نہیں کرتے۔ لیکن کیا یہ امر معنی خیز نہیں کہ سید احمد شہید رح کے ورودِ حجاز کے سال بھر کے اندر سماترا کا جہاد شدت پکڑ گیا اور حجاز سے لوٹنے کے بعد ہی خود سید شہید رح نے غلبۂ اسلام کے لئے جہاد کا اعلان فرما دیا۔ اور امام بونجول رح کی طرح انہوں نے بھی اپنے آبائی وطن کی وسیع وادیوں کو چھوڑ کر ہزاروں میل کا سخت دشوار گزار سفر طے کر کے سرحد کی پہاڑیوں کو اپنا مرکزِ جہاد بنایا۔ سید شہید رح کی اس عجیب و غریب جنگی تدبیر کی بہت سی توجیہات کی گئی ہیں، جو بجائے خود درست ہیں، لیکن صرف کسی حد تک۔ بنیادی سبب کی نشاندہی سے یہ ساری توجیہات سراسر قاصر ہیں۔ تاریخ نے آگے چل کر یہ واضح کر دیا کہ سرحد کی دور افتادہ اور دشوار گزار پہاڑیوں کو اپنا مرکز بنانا جنگی مصلحتوں پر مبنی تھا، یہ سید شہید رح کی بہترین جنگی تدبیر تھی۔ اسی نے اُن کی تحریکِ جہاد کو محیر العقول استقامت بخشی۔ سید شہید رح نے نواب ٹونک کی فوج میں ملازمت اختیار کر کے فنونِ سپہ گری میں مہارت حاصل کی تھی، لیکن جنگِ چپاول کی یہ انوکھی تدبیر ٹونک کی فوج کے کسی سپہ سالار کی سکھائی ہوئی ہر گز نہ تھی۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ امام بونجول رح کے قاصدوں کے ساتھ طویل مذاکرات کے دوران میں یہ تدبیر سوچی گئی اور تقریباً ایک ساتھ ایک طرف ہندوستان کی شمال مغربی سرحد اور دوسری طرف سماترا کی پہاڑیوں میں اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ امام بونجول رح کی والدہ ماجدہ مراکشی عرب تھیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۲ء میں یعنی اسی سال جب کہ سید شہید حجاز میں قیام فرما تھے اور امام بونجول رح کے قاصدوں سے ملے تھے، خود امام بونجول رح کی والدہ کے وطنِ مالوف کے عصرِ حاضر کے سب سے عظیم انسان یعنی سید محمد بن علی سنوسی رح: اللہ کے گھر کا طواف کرنے اور اللہ کے دین کے لئے حصار بنانے کے لئے سرزمینِ حجاز پہنچے۔ یَأْتُوْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ لیبیا (شمالی افریقہ) کے سنوسی کے دل میں بھی وہی آگ سلگ رہی تھی، جس نے اودھ (ہندوستان) کے سید احمد رح اور سماترا (انڈونیشیا)

کے امام بوبخول رح کے دلوں کو گرما رکھا تھا۔ اور سنوسی کبیر رح نے بھی تقریباً وہی راہِ عمل اختیار کی جوان مجاہدوں نے اپنے اپنے علاقوں کے لئے چنی تھی۔ لیکن امام بوبخول رح اور سید احمد شہید رح کے برخلاف سنوسی کبیر رح نے اپنی تنظیم کے لئے حجاز کی مقدس سرزمین ہی کو سب سے پہلے منتخب کیا۔ عرب میں وہابی اقتدار اس وقت رو بہ زوال تھا۔ سنوسی کبیر رح نے وہابی تحریک کے مقاصدِ اعلیٰ کو اپنا کر لیکن اس کے تقشف اور مخالفتِ تصوف کے غیر مقبول عناصر کو نکال کر جبل ابو قبیس سے اپنے مشہورِ عالم زاویوں کی تنظیم شروع کی جو رفتہ رفتہ پھیلتی ہوئی مراکش تک جا پہنچی اور برسوں فرنگی استعمار کے خلاف شمالی افریقہ میں اسلام کا سب سے مضبوط حصار بنی رہی۔[ث]

مشرق میں وہابی تحریک کے اثرات سماترا تک محدود نہ رہے، بلکہ بنگال کے مشرقی اضلاع یعنی موجودہ مشرقی پاکستان تک پہنچے۔ یہاں کی فرائضی تحریک اپنے مقاصد میں سید احمد شہید رح کی تحریک بلکہ اس وقت کی تمام اسلامی انقلابی تحریکوں سے بالکل ہم آہنگ تھی۔ طریقۂ کار میں ان سے بہت مماثلت رکھتی تھی اور سید شہید رح کی تحریکِ جہاد کو کمک پہنچاتی رہی۔ بہ ایں ہمہ وہ ایک مستقل بالذات تحریک تھی، اور اپنی انفرادیت کو اس نے برابر برقرار رکھا۔ اس کے بانی حاجی شریعت اللہ رح ۱۷۹۹ء میں یعنی شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رح کے انتقال کے سات سال بعد مکہ معظمہ پہنچے اور تقریباً انیس سال ان اطراف میں گزار کر ۱۸۱۸ء میں اپنے وطن لوٹے۔ یہاں بہت مختصر قیام کے بعد پھر سرزمین حجاز پہنچے اور سال بھر بعد ۱۸۲۰ء میں اصلاحِ اُمت، احیائے سنت، جہاد اور غلبۂ اسلام کی تحریک کا خاکہ لیکر وطن آئے۔ ان کی یہی دعوت تاریخ میں فرائضی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔ بنگلہ بکرمی ۱۲۲۷ء (مطابق ۲۱-۱۸۲۰ء) کا یہ سال اس تحریک کی تاریخ میں اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے دورِ اول کے رہنما آج تک "ستائیس سنی فرائضی" کہلاتے ہیں۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ حاجی شریعت اللہ رح کے دوسری بار حج سے لوٹنے اور مشرقی ہند میں اپنی تحریک اصلاح وجہاد کے شروع

ث ملاحظہ ہو (۱) حاضر العالم الاسلامی، مصنفہ امیر شکیب ارسلان، قاہرہ ۱۳۵۲ھ، ج ۲ ص ۱۴۰ تا ۱۶۵

(۲) المهدی السنوسی مصنفہ طیب الاشہب، طرابلس ۱۹۵۲ء

(۳) Sanusiyah, (بزبان انگریزی) مصنفہ Nicola A. Ziadeh، لیڈن ۱۹۵۸ء

کرنے کا زمانہ ٹھیک وہی ہے جب کہ سید احمد شہید رح نے اپنا ج کا وہ عظیم سفر شروع کیا، جس کا نتیجہ بھی تحریک اصلاح و جہاد کی شکل میں نمودار ہوا۔[۵]

الغرض، انیسویں صدی عیسوی کا رُبعِ اوّل اور بالخصوص اس کی دوسری دہائی کے شروع کے دو تین سال اسلام کی تاریخ میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان چند برسوں میں مراکش سے لیکر سماترا تک اسلامی انقلاب کی لہر دوڑ گئی۔ ان تمام تحریکات کے مقاصد، ان کے طریقہ ہائے کار، ان کے ماخذ اور ان کے آغاز کی تاریخوں میں واضح ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب تحریکات ایک عالمگیر انقلاب کی مختلف کڑیاں تھیں۔

وہابی تحریک سید احمد شہید رح کے جہاد کا سرچشمہ تھی یا نہیں؟ اس مسئلے پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ انگریز مصنفین اسے وہابی تحریک کی ایک شاخ بلکہ شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ یہ مصنفین عموماً وہ افسر تھے جن کا راست ملک کی انتظامیہ سے تعلق تھا۔ ان کے مخبری کے وسائل اتنے ناقص ضرور تھے کہ وہ برسوں اس عظیم تحریک کی حقیقت کو بھانپ نہ سکے۔ برسوں خود ان کے اپنے مقبوضہ علاقے سے مجاہدوں کے لئے کمک سرحد آزاد پر پہنچتی رہی اور ان کے اپنے بجی ملازم رضا لیکر جہاد کے لئے روانہ ہوتے رہے۔ لیکن یہ معاملے کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ ان نقائص کے باوجود

---

[۵] فرائضی تحریک پر بہترین تحقیقی کام ڈاکٹر معین الدین احمد خاں صاحب کا ہے، جنہوں نے اس موضوع پر تحقیقی مقالہ تصنیف کرکے ڈھاکہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ حاصل کی ہے۔ ان کے اس تحقیقی مقالے کے حاجی شریعت اللہ سے متعلق دو باب پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے جرنل جلد ۱۱ جزو ۲ (اپریل ۱۹۶۳ء) اور ایشیاٹک سوسائٹی آف پاکستان کے جرنل جلد ۳ (۱۹۵۸ء) میں شائع ہو چکے ہیں۔ حاجی شریعت اللہ کے سنین کے بارے میں بہت اختلافات ہیں۔ ملاحظہ ہو *A History of the Freedom Movement* شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی (۱۹۵۷ء) جلد اول ص ۵۴۵ حاشیہ ۳ اور *British Policy and the Muslims in Bengal* مصنفہ ڈاکٹر اے، آر، ملک، ڈھاکہ ۱۹۶۱ء ص ۶۷ تا ۶۸۔ لیکن ڈاکٹر معین الدین احمد خاں صاحب کی تازہ ترین تحقیقات جو حاجی شریعت اللہ کے مزار کے کتبہ اور دوسرے موثق ذرائع پر مبنی ہیں، اس سلسلے میں سب سے زیادہ اطمینان بخش ہیں۔

انگریزی حکومت کے وسائل خبر رسانی اتنے کارگر اور واقعات اتنے واضح ضرور تھے کہ سید احمد شہید رح کی تحریک جہاد کے بارے میں ان مصنفوں کی معلومات بے بنیاد ہرگز نہ تھیں۔ البتہ لفظ "وہابی" کے استعمال اور اس کی شہرت کے سلسلے میں انگریزوں کی نیت ہرگز نیک نہ تھی۔[9] شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رح کی تحریک خلافتِ عثمانیہ سے ٹکر مول لینے، تصوّف کے سلسلوں کی مخالفت کرنے اور بالعموم سخت گیری کا رویّہ اختیار کرنے کے سبب شیخ الاسلام کی اپنی زندگی میں نجد کی سنگلاخ سرزمین سے باہر نہ نکل سکی تھی۔ البتہ اس کی بدنامی یقیناً دور دور تک پھیل گئی تھی (جس کی بازگشت آج تک موجود ہے)۔ اس کا عالمگیر اصلاحی کارنامہ درحقیقت ان تحریکوں کے ذریعہ سرانجام پایا، جنہوں نے تقلید سے اجتناب، قرآن و سنّت سے تمسّک، شرک و بدعات کی بیخ کنی جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ شیخ الاسلام کی تعلیم سے اخذ کیا، لیکن تصوّف و احسان کی روایات کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ بلکہ تصوّف کے نئے سلسلوں (سنوسیہ، محمدیہ وغیرہ) کی بنیاد رکھ کر اس کو تقویت بہم پہنچائی۔ غرض، انگریزوں نے تو وہابیوں کی بدنامی سے فائدہ اٹھانے کے لئے سید احمد شہید رح کی تحریک کو اس کی طرف منسوب کیا۔ دوسری طرف، اسی سبب سے سرسید جیسے بہی خواہانِ تحریک اسے وہابیت کے "الزام" سے بچانے پر مجبور ہوئے۔ اور آج حال یہ ہے کہ

---

[9] مغربی نقطۂ نظر کی بہترین نمائندگی سر ولیم ہنٹر Sir William Hunter, کی مشہور کتاب The Indian Mussulmans. (طبع اول ۱۸۷۱ء) میں کی گئی ہے (بالخصوص ملاحظہ ہو صفحہ ۵۳ طبع ۱۹۴۵ء) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لیڈن، طبع اول اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس اڈنبرا طبع اول میں مارگولیوس Margoliouth, کے مقالات بعنوان Wahhabia, میں مغربی نقطۂ نظر کی تلخیص درج ہے۔ مارگولیوس کے یہ مقالات ہنٹر کی کتاب کے علاوہ مندرجہ ذیل ہمعصر انگریزی تصانیف پر مبنی ہیں:۔ E. Rehatsek, کا مقالہ بعنوان History of Wahabis in Arabia and in India, مشمولہ Journal of Royal Asiatic Society, Bombay Branch. جلد ۱۴، ۱۸۸۰ء اور (۲) وہابی مقدمات کے سرکاری وکیل JAMES O'KINEAL کا مقالہ بعنوان Wahhabis in India, مشمولہ Calcutta Review جلد ۵۱ شمارہ ۱۰۱ (۱۸۷۰ء)۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام طبع اول میں بلومہارٹ Blumhart, نے اپنے مقالہ بعنوان Ahmad bin Muhammad Irafan میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے اثرات کا بھی ذکر کیا ہے۔

مسلمان مورخین عموماً اس امر پر متفق ہیں کہ سید احمد شہید رح کی تحریک کا سرچشمہ وہابیت نہیں بلکہ شاہ ولی اللہ رح اور ان کے خاندان کے اثرات ہیں[۵]۔

اس میں شک نہیں کہ سفرِ حج سے پہلے سید احمد شہید رح نے اصلاح و احیائے دین کے لئے ایک منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ تقویۃ الایمان اور صراطِ مستقیم کی تصنیفات، طریقہ محمدیہ کی تنظیم اور خود سفرِ حج کے سلسلہ کا انقلاب خیز تبلیغی دورہ یہ سب اسی منصوبہ کی کڑیاں تھیں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ سید شہید رح نے یہ منصوبہ حضرت شاہ ولی اللہ رح اور اُن کے خاندان کی تعلیمات سے متاثر ہو کر تیار کیا تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ سید احمد شہید رح اور ان کے خلفائے صادق پور نے وہابی تحریک کے بعض عناصر یعنی تصوف کی جا و بیجا مخالفت، تقشف، تشدد اور تحزب سے آخر دم تک اجتناب برتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاہئے کہ جہاد کا اعلان اور اس کی تنظیم کا کام سید احمد شہید رح نے حج سے لوٹ کر ہی سر انجام دیا۔ سطور بالا میں جو حقائق پیش کئے گئے ہیں وہ سید احمد شہید رح کی تحریک کو اس عالمگیر تحریک جہاد و غلبۂ اسلام سے وابستہ کر دیتے ہیں جس کا سرا شیخ الاسلام کی دعوت ہی سے جا ملتا ہے۔ جس کا سلسلہ دور دور تک پھیل چکا تھا۔ بالخصوص منگ کباؤ (سماترا) کی پراناگ پڈیری نام کی تحریک جہاد سے اس کی مماثلت حیرت انگیز ہے۔ اس مماثلت کے بعض اہم پہلوؤں کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ چند اور گوشے ایسے ہیں، جن کے بارے میں کچھ عرض کرنا سید شہید کی تحریک کو سمجھنے میں مدد دیگا۔

---

[۵] سر ولیم ہنٹر کی کتاب کے اشاعت کے فوراً بعد سر سید نے اس پر تبصرہ بزبان انگریزی لندن سے شائع کرایا تھا۔ جس کا اردو ترجمہ "ہنٹر پر ہنٹر" کے دلچسپ عنوان سے لاہور سے شائع ہوا ہے۔ پاکستانی مصنفین کے نقطۂ نظر کی ترجمانی مندرجہ ذیل تصانیف میں ملتی ہے۔ "موج کوثر" مصنفہ شیخ محمد اکرام ۱۹۵۸ء صفحہ ۳۳ - ۳۷۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مصنفہ مولانا مسعود عالم ندوی، طبع دوم۔ اور ڈاکٹر محمود حسین کا مقالہ *Sayyid Ahmad Shahid,* مشمولہ *A History of the Freedom Movement* شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۵۷ء، ج ۱ ص ۵۶۴ تا ۵۶۸

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، سماترا کے مجاہدوں نے جہاد کا سلسلہ انیسویں صدی عیسوی کے اوائل (غالباً ۱۸۰۳ء) میں شروع کر دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سماترا اور اس کے گرد و پیش کے جزیروں کے برطانوی اور ولندیزی (ڈچ) استعمار کے مقاصد ایک دوسرے سے متصادم تھے۔ سماترا پر ڈچوں کا قبضہ بڑھتا جا رہا تھا۔ دوسری طرف انگریزوں کا ایک عظیم ترین مدبر ریفلز (Raffies) انگریزی استعمار کے لئے دام بچھانے کی فکر میں تھا۔ گرچہ ریفلز کی تمام ترہمدردیاں سماترا کے جاگیرداروں بالخصوص مینٹگ کباؤ کے راجہ کے حق میں اور مجاہدوں کے خلاف تھیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ مجاہدوں سے پرخاش مول لینا نہیں چاہتا تھا اس لئے ۱۸۱۸ء میں سماترا کا دورہ کرتے وقت اس نے مجاہدوں سے نامہ و پیام کا سلسلہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ مجاہدوں نے اسے صاف صاف جواب دے دیا کہ وہ انگریزوں سے امن و آشتی کا رشتہ صرف اسی صورت میں قائم کریں گے، اگر وہ شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ میں مجاہدوں کی مدد کریں یہ صاف جواب مل جانے پر بھی ریفلز نے مجاہدوں کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی[۱۱]۔ اسے نظر آ رہا تھا کہ یہ علاقے یورپ کی کانفرنسوں کے فیصلے کے مطابق ڈچوں کے حوالے کر دئے جائیں گے۔ اسے کیا پڑی تھی کہ اپنے ڈچ حریفوں کے لئے میدان ہموار کرتا۔ اس سے ملتی جلتی صورت ہند و پاکستان کے برصغیر میں پیش آئی جب تک سید احمد شہید رح سکھوں سے جہاد کرتے رہے، انگریزوں کا رویہ ان کی طرف سے اگر مصالحانہ نہیں تو غیر جانبدارانہ ضرور تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ سماترا اور ہندوستان دونوں جگہ برطانوی چالیں ایک ہی سوچی سمجھی پالیسی کا نتیجہ ہوں۔ اور سماترا میں ریفلز کے تجربات ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوسرے افسروں پر اثر انداز ہوئے ہوں۔

سید شہید رح کو غیر مسلم دشمنوں کے علاوہ بعض منافق صفت مسلمان سرداروں اور خوانین سے بھی لڑنا پڑا۔ اور بالآخر انہیں ہزیمت سکھوں کے ہاتھوں نہیں، بلکہ افغان حلیفوں کی غداری کے سبب اٹھانی پڑی۔ یہی صورت امام بونجول رح کو پیش آئی۔ بلکہ انہیں تو سماترا کے مسلمان

---

[۱۱] Perang Paderi (بزبان انڈونیشی) مصنفہ محمد رجب صفحہ ۳۵–۴۰

جاگیرداروں کو راہِ حق پر لانے میں اتنی بھی کامیابی نہیں ہوئی جتنی سید شہید رح اور ان کے خلفا کو افغانستان اور اس کی سرحد کے زمینداروں، نوابوں اور خانوں کو حلیف بنانے میں ہوئی تھی اور انہیں بھی بالآخر سماترا کے جاگیرداروں کی وجہ سے زک اٹھانی پڑی۔

تمام رکاوٹوں کے باوجود امام بونجول رح کی تحریک سید احمد شہید رح کی تحریک کی طرح بہت سخت جان ثابت ہوئی۔ ۱۸۳۷ء میں بونجول کے مرکزی مقام کے سقوط اور امام صاحب کی گرفتاری کے باوجود ۱۸۶۴ء تک یہ تحریک کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی۔ لیکن اس سال امام بونجول رح کے انتقال کے بعد یہ تحریک بالکل ختم ہوگئی۔ مگر

جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے، اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، اِدھر نکلے

اس تحریک نے دوسری تحریکاتِ آزادی کو جنم دیا جنہوں نے بالآخر ڈچ استعمار سے انڈونیشیا کے دس کروڑ مسلمانوں کو چھٹکارا دلایا۔

سید احمد شہید رح کی تحریک بھی بالاکوٹ کے مقام پر ۱۸۳۱ء میں ان کی شہادت کے بعد ختم نہیں ہوئی۔ ان کے بعد پٹنہ کے صادق پوری خاندان نے جہاد جاری رکھا۔ اور ۱۸۶۳ء میں انگریزوں کو ملکانہ کے مقام پر شکست فاش دی۔ انگریزوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ انہوں نے اگلے سال ۱۸۶۴ء میں صادق پور کے مرکز پر چھاپہ مار کر اس کا بدلہ لے لیا۔ یوں بظاہر یہ تحریک بھی ختم ہوگئی۔ اور اتفاق یہ کہ اسی سال ہوئی جس سال امام بونجول رح کی تحریک کا خاتمہ ہوا۔ صادق پور کے خاندان کے معدودے چند افراد روپوش ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ باقی نے کالے پانی (جزائر انڈمان) کو آباد کیا اور وہیں (بہ استثنائے مولانا عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ) راہی ملکِ بقا ہوئے۔ پیچھے صرف عورتیں اور بچے باقی رہ گئے تھے، ان کے رہنے کے مکان برباد کر دیے گئے۔ جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ عورتوں کے جسم پر سے زیور تک نوچ لیے گئے۔ لیکن نہ صادق پور کا خاندان ختم ہوا، نہ سید شہید رح اور ان کے جاں نثار خلفا کا مقصد فوت ہوا۔ آج ان کی قربانیوں کے طفیل میں پاکستان

آزاد ہے۔ یہاں نہ سکھ باقی رہے نہ انگریز۔ وَالعاقِبَۃُ للمتقین[۱۲]۔

---

[۱۲] عہد حاضر کے بعض اہل قلم نے جن میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (تجدید واحیائے دین) ممتاز ہیں، سیّد شہید رح اور اُن کے خلفا کی تحریک کی ناکامی پر بڑا زور قلم صرف کیا ہے۔ اور اس کی مزعومہ ناکامی کے اسباب وعلل کا سراغ لگانے میں دقیقہ سنجی سے کام لیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ پر ان مجاہدوں کا قیاس کر رہے ہیں۔ اسلام کے نام پر اپنا اقتدار یا اپنے مخصوص سیاسی گروہ کی حکومت کا قیام ان سر فروش مجاہدوں کا ہرگز مقصد نہ تھا۔ وہ تو صرف رضائے الٰہی کا حصول چاہتے تھے۔ جس میں وہ یقیناً کامیاب رہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

"دریائے عشق خالق دونوں جہاں میں ہم نام و نشاں دارِ فنا کے ڈوبا چکے
کفنی گلے میں ڈال کے تسمہ کمر کے بیچ ہم جوگی ہوئے محرم اسرار کے لئے

اے فدائے من فدایت جانِ من جملہ فرزندان وخان ومانِ من
وے فدائے تو ہمہ بزہائے من وَے فدایت ہمی ہمی دھی ھائے من"

(حضرت سید احمد شہید رح کے خلیفہ مولانا یحییٰ علی صادق پوری رح کے ایک خط کے اقتباسات۔ یہ خط انہوں نے جزیرہ انڈمان سے اس وقت لکھا تھا جب انہیں اپنے مکانوں کے ڈھائے جانے کی اطلاع ملی تھی۔ اس نادر دستاویز کا عکسی چربہ شاملِ اشاعت ہے۔)